رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۸۰

رجسٹرڈ انگلیشیہ نمبر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

اڈیٹر: میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ....
ششماہی ....
سہ ماہی ....

قیمت فی پرچہ ۲

قیمت پرانا پرچہ ۴

جلد (۵) ۸ | ۱۲ بہمن ۱۳۵۵ ف | ۹ محرم ۱۳۶۵ ھ | ۱۵ دسمبر ۱۹۴۵ء شنبہ | نمبر ۳۵

مشرق وسطیٰ میں روس کی دست درازیاں

ایران کی نازک صورت حال

شمالی ایران میں کافی تیل کے چشمے ہیں جن سے ابھی استفادہ نہیں کیا گیا۔ تہا واقعہ کی طرف آغاز جنگ تک توجہ بھی کی گئی تھی۔ موجودہ جنگ نے تیل کے ذخیرہ ایران کی اہمیت بہت بڑھا دی۔ سعودی عرب اور ایران میں تیل کے چشمے اس قدر موجود ہیں کہ دول عظمیٰ کی مسابقت کا باعث ہو رہے ہیں۔ امریکہ نے برطانیہ سے پہلے ابن سعود سے ایک معاہدہ کر لیا لیکن جب امریکہ نے تیل کی ایک پائپ لائن بچھانے کی تجویز پیش کی تو ان دونوں ممالک کے تیل کے ٹھیکہ داروں میں تصادم ہو گیا بالآخر ان کو ایک سمجھوتہ کرنا پڑا۔

شمالی ایران کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔ دوران جنگ میں متحدین نے فوجی اغراض کے لئے ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اب سویٹ روس شمالی ایران کا تخلیہ کرنے کو تیار نہیں ہے تا وقتیکہ اس کو اس علاقہ کے تیل سے استفادہ کرنے کا یقین نہ دلایا جائے اور ایران میں ایسی حکومت قائم نہ ہو جائے جو سویٹ کی دوست ہو اس کی وجہ ظاہر ہے تیل کی حد تک سویٹ روس کے وسائل محدود ہیں۔ جنگ کے بعد روس کو رومانیہ کے تیل سے استفادہ کا موقع حاصل ہوا۔ امریکہ اور برطانیہ کی طرح سویٹ روس کو یہ موقع حاصل نہیں ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں تیل کے چشمے دریافت کرے اور تیل کے لئے معاہدے کرے۔ اس لئے وہ شمالی ایران کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ اقتداری سیاسیات میں ایسا کھیل تو ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ عصر جدید میں عسکری طاقت کے لئے تیل ایک ناگزیر عنصر ہے۔

سویٹ روس کے پیہم بڑھتے ہوئے دباؤ کے باوجود حکومت ایران نے اپنے تیل کے وسائل روس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ حکومت ایران نے اپنے طرز عمل کو مستحکم ثابت کرنے کے لئے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے تیل کے وسائل کسی بدیسی طاقت کے حوالے نہیں کرے گی۔ یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض حلقوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت ایران کا انکار امریکہ اور برطانیہ کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ لیکن روس مسئلۂ تیل کو یہیں چھوڑنے تیار نہیں۔ اسکا برملا کی شدت رقابت کی موجودگی میں سویٹ روس حکومت ایران کے انکار کو قبول کرنے تیار نہیں معلوم ہوتا۔

جو محسوس کرکے کہ ایران سویٹ روس کے مطالبہ کو قبول کرنے تیار نہیں ہے۔ سویٹ روس سیاسی چال بازیاں کر رہا ہے جس میں اس کو خاص مہارت حاصل ہے۔ ان علاقوں میں جو ایران کی سرحد پر واقع ہیں خود مختاریت کی تحریکات شروع ہو گئی ہیں اور بغاوتیں بھی ہو رہی ہیں اور سویٹ روس حکومت ایران کو ان بغاوتوں کو دبانے کی اجازت نہیں دے رہا ہے ایرانی حکومت بے بس ہے۔ ایران کا مسئلہ بداہتہً بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے۔

لیکن ایران کا جغرافی محل وقوع روس کے نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہم ہے سویٹ اقتدار کو دنیا میں پھیلانے کے لئے ایران سے ایک اچھا راستہ مل سکتا ہے۔ اس وقت امریکہ اور سویٹ روس ہی کی دو سب سے بڑی طاقتیں ہیں۔ سویٹ روس کو تجارت اور سیاست میں برتری حاصل کرنے کے لئے اپنی بحری طاقت میں اضافہ کرنا پڑے گا۔ روس کے قبضے میں سمندری راستوں کا نہ ہونا اس کی کمزوری کا باعث ہے۔ روس کے بندرگاہوں میں یا تو سال کے آٹھ مہینے برف رہتی ہے یا بحر اسود کی طرح اس کے بحری راستے بند رہتے ہیں۔ زار کے زمانہ سے روس کی یہ تمنا رہی ہے کہ اس کو ایسے بندرگاہ مل جائیں جو سال بھر کھلے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب سویٹ روس بحر روم میں اپنا حلقۂ اثر قائم کرنا چاہتا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ سویٹ روس شمالی افریقہ، نہر سوئز اور درہ دانیال میں بھی حلقۂ اثر قائم کرنا چاہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نہیں چاہتے کہ بحر روم میں سویٹ روس کا اثر قائم ہو۔ انیسویں صدی میں بھی جب روس

باقی بصفحہ ۱

ہفتہ وار مملکت

۱۲ بہمن ۱۳۵۵ ف

مفاہمت یا مذاق؟

جب ہم نے پہلی مرتبہ یہ خبر سنی کہ نواب سالار جنگ بہادر کی دیوڑھی میں مولوی ابوالحسن سید علی سے مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیہ، مسٹر نرسنگ راؤ اور مسٹر راما چاری کی گفتگوئے مفاہمت ہو رہی ہے تو ہم نے اس خبر کا دل سے خیر مقدم کیا، اور کسی قسم کی رائے زنی کے گفتگوئے مفاہمت میں مخل انداز ہونے سے پرہیز کیا۔ لیکن اب جبکہ مولوی صاحب کے خطبۂ صدارت اور دوسرے ذرائع سے اس سمجھوتہ کے نمایاں خط و خال کا علم ہو چکا ہے ہم اس موضوع پر قلم اٹھانا ضروری سمجھتے ہیں۔

ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہمیشہ یہ ایقان رہا ہے کہ حیدرآباد میں ہندو مسلم اختلافات ناقابل سمجھوتہ نہیں ہیں اور ہماری یہ دیرینہ تمنا رہی ہے کہ یہ مرحلہ ایک دفعہ طے ہو جائے۔ مسلمانوں کی جانب سے مولوی صاحب ہی کو اس وقت گفتگوئے مفاہمت میں حصہ لینے کا حق پہنچتا ہے ہندو پبلک کارکنوں میں گو کوئی اس وقت تنہا زیادہ ہے اور مسٹر ویدیہ یا مسٹر نرسنگ راؤ کو وہ نمائندہ حیثیت حاصل نہیں ہے جو چند سال قبل حاصل تھی تاہم یہ اصحاب چونکہ قدیم اور تجربہ کار پبلک کارکن ہیں اس لئے اس کے مستحق ہیں کہ انہیں عملاً ہندو جماعتوں کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے بشرطیکہ یہ حضرات اس امر کا وعدہ فرمائیں کہ وہ اپنے اثرات کو ـــ وہ جو کچھ بھی ہوں ـــ اس سمجھوتہ کو مقبول بنانے میں مخلصانہ طور پر صرف کریں گے۔

ہمیں یہ سنکر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ مفاہمت کنندگان نے اختلافی مسائل کو دوران گفتگو میں الگ باندھ کر رکھ چھوڑا۔ ہماری رائے میں یہ تو مفاہمت نہ ہوئی مذاق ہوا۔ اگر اس سالار جنگی سمجھوتہ کا تجزیہ کیا جائے تو وہ مختصراً یہ ہے کہ اسکیم اصلاحات سے مفاداتی بنیاد برخاست کر دی جائے اور ایک جدید اسکیم مرتب کی جائے۔ ہندو نمائندوں نے مفاداتی بنیاد کی مخالفت کے لئے مولوی صاحب کو خوب آلۂ کار بنایا۔ اگر موجودہ اسکیم اصلاحات فی الواقعی اسی برتاؤ کی مستحق ہوتی تو ہمیں اس تصفیہ پر خوشی ہوتی لیکن ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مفاداتی بنیاد ہی فرقہ واریت کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک نہایت موثر حربہ ہے۔ یہ کہنا کہ مفاداتی حلقہ ہائے انتخاب کی تشکیل میں تناسبیت کی برائی ہے محض بکواس ہے۔ سوویٹ روس میں بھی تو حلقہ ہائے انتخاب مفاداتی بنیاد پر قائم ہیں۔ پھر حیدرآباد کے دستور کو روس کی دستور کیوں نہیں کہا جاتا؟ واقعہ یہ ہے کہ حیدرآباد کا دستور نہ تو سطحی طور پر اشتراکی بلکہ خالص حیدرآبادی ہے۔ اگر [illegible] تو یہ کہہ سکتا ہے کہ کاشتکاروں کو (۱۲) سے زیادہ نشستیں ملنی چاہئیں یا مزدوروں کی نشستوں میں اضافہ ہونا چاہئے یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہری رقبوں میں رہنے والے تعلیم یافتہ اور سیاسی شعور رکھنے والے اصحاب کو نمائندگی دی جانی چاہئے لیکن یہ کہنا کہ مفاداتی بنیاد کو سرے سے اڑا دیا جائے انہی اصحاب کے بس کی بات ہے جو فرقہ وارانہ بنیادوں پر اپنی سیاسی تنظیم قائم رکھنا چاہتے ہیں اور جو برسر اقتدار آنے کے بعد فرقہ وارانہ رجحانات ہی کے تحت کاروبار چلانا چاہتے ہیں۔ اس مسئلہ کے منفی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو مسئلہ زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ضلع ورنگل سے چار نمائندے منتخب ہو کر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یا تو سرمایہ دار ہوں گے یا وکیل۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ضلع ورنگل کے نمائندے کہلانے کے کس طرح مستحق ہیں؟ ضلع ورنگل میں اکثریت کاشتکاروں کی ہے۔ اس کے بعد مزدور ہیں۔ تیسرے درجہ میں تجارت پیشہ اور کارخانہ دار وغیرہ آتے ہیں۔ کیا ایک سرمایہ دار سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ان مفادوں کی صحیح ترجمانی کرے گا؟ یا کیا ایک وکیل یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ کاشتکاروں کے مفاد کو اپنے سرمایہ دار موکلین کے مفاد پر ترجیح دے گا؟ مرکزی مشاورتی مجلس اقدیہ میں ہم نے دیکھ لیا کہ طبقۂ وکلا بجز چند مستثنیات کے کس طبقہ کا ساتھ دیتا رہا۔ پس کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں ضلع کا نمائندہ ہوں ایک بے معنی سی بات ہے تا وقتیکہ وہ اس طبقہ کو منتخب نہ کرے جس کی نمائندگی کر رہا ہے۔

ایک اور نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ کو جانچا جا سکتا ہے۔ ملک کے اہم ترین مسائل لازماً معاشی نوعیت کے ہوتے ہیں جو کبھی بھی فرقہ واری اصول پر منقسم نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے جب کاشتکاروں کی نمائندگی کا مسئلہ پیش ہو تو ہندو کاشتکار اور مسلم کاشتکار میں فرق کیا باقی رہتا ہے؟ اس اعتبار سے مخلوط انتخابات اس اسکیم کا جزو لاینفک قرار پاتے ہیں لیکن چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اور ہندو قوم کے تمام [illegible] اور ادارے فرقہ وارانہ تعصبات میں مبتلا ہو چکے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ جو مسلمان کاشتکاروں کے حلقہ سے منتخب ہو وہ ہندو تنظیم کا پچھلگو نہ ہو بلکہ مسلمانوں کے اعتماد کا بھی حامل ہو۔ چنانچہ دستور میں یہ جزو بھی شامل کیا گیا کہ وہی امیدوار کامیاب متصور ہوگا جو اپنی قوم کے کم از کم چالیس فیصد ووٹ حاصل کرتے ہوئے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرے۔ مسٹر نرسنگ راؤ اس امر کی تصدیق کریں گے کہ جب نواب بہادر یار جنگ مرحوم سے انہوں نے طویل گفتگوئے مفاہمت کی تھی اس میں بھی مفاداتی بنیاد، مخلوط انتخابات اور امیدوار کا اپنی قوم سے کم از کم چالیس فیصد ووٹ حاصل کرنا فریقین کے نزدیک قابل قبول امور تھے۔ اب اس نوبت پر جبکہ اصلاحات عنقریب نافذ ہونے والے ہیں ان میں ایسا رد و بدل چاہنا [illegible] غلط عمل ہے۔

نواب سالار جنگ بہادر کی دیوڑھی میں جو حالیہ گفتگوئے مفاہمت ہوئی اس میں بعض اہم مسائل کو ترک کر دیا گیا۔ حیدرآباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو سیاسی اختلافات گزشتہ چند سال سے چلے آتے ہیں

...ن کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ صرف تین ہیں: (۱) ملازمتوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب۔ (۲) مجلس مقننہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب۔ (۳) بعض ہندو اصحاب اور اداروں کا مطالبہ کہ فوقانی درجوں تک طلبہ کی مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔

آخر الذکر مطالبہ نہ کسی سنجیدہ وغور و فکر کا نتیجہ ہے اور نہ اس پر تمام ہندو متفق ہیں۔ یہ دراصل ان مطالبات میں شامل ہے جو ہندو کانگریس اہمیت دیتے ہیں کہ نہیں بلکہ یوں ہی حکومت کو پریشان کرنے اور بیرونی پروپگنڈے کے لئے مواد فراہم کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔ تاہم اگر اس مسئلہ کی بھی ایک دفعہ یکسوئی ہو جائے تو اچھا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ان اختلافات اور عملی حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ ایسا دعویٰ اگر نخیف ہو تو مضحکہ خیز ضرور ہے۔

اس پس منظر میں اگر سالار جنگی سمجھوتہ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ اب حکومت میں تین ہندو اور تین قسم کارکنوں کو شریک کیا جائے جدید دستور نافذ کر دیا جائے یا ایسی ہی ایسی ترمیمات کی جائیں جو اس دستور کی روح کو سلب کر لیں۔ یہ سمجھوتہ ہندو مسلم سمجھوتہ نہ ہوا بلکہ آپس میں وزارتوں کی تقسیم کا سمجھوتہ ہوا۔

اہل ملک کے سنجیدہ طبقہ کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ ہمارے لیڈر پبلک مسائل سے کب تک کھیلتے رہیں گے اور کب تک شخصی مفادات کو ملک کے مفادات پر ترجیح دی جاتی رہے گی۔ ہم نواب سالار جنگ بہادر کی اس کوشش سے دلچسپی سمجھ سکتے ہیں۔ نواب صاحب صرف یہ کہنے کے قابل ہونا چاہتے ہیں کہ سر اکبر مرحوم، یا نواب بہادر جنگ مرحوم یا نواب کمال یار جنگ مرحوم یا حکومت سرکار عالی جو کام نہ کر سکی "اس کام کی میں نے تکمیل کرا دی"۔ ہم نواب صاحب کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ادباً ہماری یہ گزارش بھی ہے کہ صرف ایسا دعویٰ کرنے کے قابل ہونے کے لئے پبلک زندگی کے تلخ حقائق سے منہ نہیں موڑا جا سکتا۔

اگر نواب صاحب کے مشیروں نے انہیں یہ باور کرایا ہے کہ نواب صاحب کا یہ کارنامہ زرین حروف میں لکھنے کے قابل ہے تو ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ نواب صاحب کو ان کے مشیر دھوکہ دے رہے ہیں۔ نواب صاحب سے ایک اور بات ہمیں یہ عرض کرنی ہے کہ ملک کی سیاسیات اب اس درجہ الجھ گئی ہے کہ وہ ان کے بس کی بات نہیں رہی۔ نواب صاحب کو مصروف رکھنے کے لئے اور ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے معاشی میدان کھلا ہوا ہے۔ وہ اپنی دولت اور اپنی دماغی صلاحیتوں کو ملک کی معاشی ترقی کے لئے وقف کر دیں تو اہل حیدرآباد انہیں ہمیشہ یاد کریں گے۔ ایک اور بھی میدان ہے جو نواب صاحب کی عالی ہمتی کا منتظر ہے۔ اور وہ ثقافتی میدان ہے اگر نواب صاحب اپنے بیش بہا خزانوں کو ایک پبلک میوزیم کی شکل میں بدل دیں تو صرف حیدرآباد بلکہ سارا ہندوستان نواب صاحب کا رہین منت رہے گا۔ سیاسیات پر نواب صاحب رحم کیا فرمائیں تو اچھا ہے۔

مولوی ابوالحسن سید علی سے ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ آپ کا اقدام مفاہمت ہمارے سر آنکھوں پر لیکن اپنے رفقائے کار کو اپنے اعتماد میں لینے یا ان سے مشورہ کرنے میں آپ کو کیا عذر تھا؟ اسلام نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ ہر کام مشورہ سے کرو۔ پھر آپ کو مشاورت سے اس درجہ گریز کیوں ہے؟ دوسری بات یہ کہ مفاہمت میں لین دین ہوتا ہے لیکن آپ نے جو مفاہمت کی اس میں لین تو کچھ نہیں صرف دین ہی دین ہے اگر کچھ لین ہے تو وہ وزارتوں کی۔ کیا یہی آپ کی منزل مقصود ہے۔؟

مسٹر کاشی ناتھ راؤ ویدیا اور مسٹر نرسنگ راؤ سے ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر وہ شہری کارکنوں سے مزید نمائندگی کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم اس مطالبہ کی تائید کرنے تیار ہیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل بارہا اس کی تائید کی ہے۔ لیکن اگر وہ مفاہمت چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ ذہنی تحفظات کو الگ رکھ کر سیدھی سیدھی بات کریں اور جماعتی مسائل پر سمجھوتہ نہ کریں۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ بیروزگاری کی مدافعت کے انسداد کا بھی ہے۔ دوسرا حیثیت حکومت کا ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت حیدرآباد کے معاشی نظام کی اصلاح کن بنیادوں پر کی جائے۔ پیسنو سارے مسائل کی جان ہے جس سے ہمارے لیڈر گریز کر رہے ہیں۔ ایک اور اہم مسئلہ ذریعہ تعلیم سے متعلق ہے۔ ان سارے مسائل کو پس پشت ڈال کر صرف وزارتیں طلب کرنا انتہائی خود غرضی اور کم ہمتی پر دلالت کرتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خود ملک کے ہندو ادارے اس طرز عمل کے خلاف بغاوت کریں گے۔

ملک کے مختلف فیہ مسائل اور ان کے حل کی نسبت ہم آئندہ اپنے خیالات ظاہر کریں گے۔ یہاں ہم حکومت کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ دستور میں کچھ اضافہ کر کے اسکیم اصلاحات نافذ کرے۔ جن تیقنات کا مولوی صاحب نے ذکر کیا ہے اس سے ہم لاعلم ہیں۔ اگر یہ تیقنات اس فرمان مبارک کے علاوہ ہیں جس کے ذریعہ اصلاحات کا اعلان ہوا تھا تو دستور میں ان کی کوئی جگہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیقنات دو جو بھی بھلا ہوں سابقہ حکومت کے کرم فرماؤں کی نوازش تھے۔ موجودہ حکومت بمشکل اپنے آپ کو ان کا پابند گردان سکتی ہے۔

"ایجنڈہ" ہفتہ وار

"ایجنڈہ" کے نام سے مسٹر جاگیردار نے حیدرآباد سے ایک باتصویر انگریزی ہفتہ وار جاری کیا ہے جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔ مسٹر جاگیردار نے شانتی نکیتن میں تعلیم پائی ہے اور رابندر ناتھ ٹیگور کے فلسفہ حیات سے متاثر ہوئے ہیں اس ہفتہ وار کے دو شمارے ہماری نظر سے گزرے جن میں ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسٹر جاگیردار اپنے ہفتہ وار کو اس کے نام کی مناسبت سے زیادہ تر فنون لطیفہ نیز ثقافتی موضوعات کو جگہ دیتے ہیں اور سیاسی یا فرقہ واری خارزاروں سے اپنا دامن بچا رکھا ہے۔ اس رسالہ کی طباعت دیدہ زیب ہے اور مضامین کا تنوع اور انتخاب بھی اچھا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ مقبولیت حاصل کرے گا اور ملک کے ایسے اہل قلم اصحاب کے لئے جو انگریزی میں لکھنے کے عادی ہیں اور جنہیں تاریخ، معاشیات، سیاسیات اور دیگر ثقافتی مضامین سے دلچسپی ہے مسٹر جاگیردار کا ہاتھ بٹائیں گے۔

یونین تربیت قیادت باہمی کا قیام

مولوی جمیل حسین صاحب کی تقریر

مشاورتی مجلس اغذیہ کے حالیہ اجلاس میں مولوی جمیل حسین صاحب ناظم سررشتہ امداد باہمی نے تحریک امداد باہمی کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ :-

مرکزی مشاورتی کمیٹی اغذیہ کے گذشتہ جلسہ میں میں نے ان واقعات کا اظہار کیا تھا کہ جن کی بنا پر حکومت سرکار عالی نے غذائی مسائل کو حل کرنے میں انجمن ہائے امداد باہمی کو زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کے متعلق تصفیہ کیا تھا۔ یہ کام اس قدر وسیع تھا کہ سررشتہ سے معمولی طور پر انجام پانا محال تھا۔ اس لئے حکومت سرکار عالی نے ترمیم سررشتہ کی ایک اسکیم کو منظور فرمایا۔ اب اس کا نفاذ ہو رہا ہے عہدہ داروں کی جماعت تشکیلی ختم ہو چکی ہے جس کا نتیجہ امروز فردا میں شائع ہو جائیگا اس کے بعد تقررات عمل میں آئیں گے میں سمجھتا ہوں کہ سررشتہ کی تنظیم جدید کا مکمل نقشہ جمنے تک ابھی اور دو ماہ لگیں گے۔ مختصر یہ کہ سررشتہ گذشتہ تین ماہ سے ایک عبوری دور سے گذر رہا ہے اور اس تمام جدید کام کا بار ابھی تک قدیم ملازمین سررشتہ پر ہی پڑ رہا ہے کام کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مملکت آصفیہ کے ۲۱ ہزار مواضعات میں سے ہر ایک میں غلہ گودام قائم کیا جا رہا ہے۔ اور تمام پیداوار زرعی کی خرید و فروخت کو متعلقہ یونینوں کے ذریعہ امداد باہمی کے اصول پر مربوط کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک طرح کا معاشی انقلاب ہے قدم قدم پر مخالفتیں اور رکاوٹیں ہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہی لوگ جو اس تحریک کے بڑے مخالف سمجھے جاتے تھے۔ اب اس کے سرگرم کارکن ہیں۔

اس تبدیلی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تحریک کا دائرہ عمل میں جو پہلے بڑی حد تک قرضہ کی فراہمی تک محدود تھا اب تجارتی کاروبار بھی شامل کر دیا گیا ہے جس سے بیشتر منافع کی توقعات ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمر کاروں کو تحریک کے ساتھ ایک قسم کا ذاتی لگاؤ سا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔

اب میں وہ اعداد پیش کروں گا جن سے تحریک امداد باہمی کی رفتار ترقی اور غذائی مسائل میں امداد باہمی کے اداروں کی کارکردگی کا حال معلوم ہوگا۔ غلہ گودام اور متعلقہ یونین کیا کام انجام دے رہی ہیں اس کی صراحت میں اپنے پچھلے بیان میں کر چکا ہوں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اب تک (۱۰۷۹) غلہ گودام وجود میں آچکے ہیں جن میں سے (۱۰۲۰) کی رجسٹری ہو چکی ہے اور بقیہ (۲۶۹) عملہ کی قلت کی وجہ سے زیر رجسٹری ہیں۔

انشاء اللہ آئندہ اجلاس میں یہ ظاہر کروں گا کہ ان غلہ گوداموں میں کس قدر غلہ جمع ہے۔ جو بوقت ضرورت رعایا کی فراہمی کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ متعلقہ یونینوں کی تعداد (۹۹) تک پہنچ چکی ہے جس کے منجملہ (۴) علاقہ جاگیرات دیگر علاقہ نواب سالار جنگ بہادر۔ پڑا پلی۔ علاقہ راجہ دھرم کرن بہادر۔ تانڈور علاقہ نواب جھانی جنگ بہادر مرحوم۔ ونپرتی سمستان میں واقع ہیں اور ۵ علاقہ دیوانی میں (۲) تعلقوں میں ابھی واقع اور ۹۵ علاقہ دیوانی میں ۔ ۸ تعلقوں میں ابھی تک متعلقہ یونینوں کا قیام عمل میں نہیں آیا وہ یہ ہیں

ضلع پربھنی میں بسمت نگر اور پالم

ضلع ناندیڑ میں قندھار۔

ضلع بیدر میں احمد پور۔ ننگی۔ اور جنوارہ

ضلع نظام آباد میں بودھن۔

ضلع ورنگل میں پالونچہ۔

قائم شدہ انجمنوں کا سرمایہ مجوزہ ایک کروڑ ۹۰ لاکھ ہے۔ جس کے منجملہ ساڑھے ۵۵ لاکھ نقد جمع ہو چکا ہے۔ اس مجتمع سرمایہ کے علاوہ متعلقہ یونینوں نے برا راست بحساب ۱۲ روپیہ فی پلہ کے حساب سے اب تک (۳۰۰۰۲۷۹۰) کا کمیشن حاصل کیا ہے۔ اور فیس تصدیق اسٹاک سے بھی ایک معتد بہ رقم یعنی (۲۱۵۲۸۰۰) حاصل کی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ کمرشیل کارپوریشن سے جو دالوں کے پرمٹ دئے جاتے ہیں ان پر بھی ۱۲ روپیہ فی پلہ کے حساب سے انجمنوں کا کمیشن وصول کیا جاتا ہے۔ اس کمیشن کے صحیح اعداد ابھی تک مجھے حاصل نہ ہو سکے لیکن اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ۲۰ لاکھ روپے وصول ہوئے ہیں۔ گویا مجموعی طور پر علاوہ زر حصص مجتمعہ کے انجمنوں کے پاس تقریباً ۴۰ لاکھ کا نقد سرمایہ موجود ہے۔ جس کو پیداوار دوامی بہتر زراعت۔ اور بہتر معاملات پر صرف کیا جائے گا۔ اس رقم سے صرف سے متعلق میں ایک علحدہ اسکیم حکومت کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جس میں شہر حیدرآباد میں ایک مرکزی انجمن صارفین کے قیام اور اس کے تحت ہر محلہ یا وارڈ میں ایک ذیلی انجمن قائم کرنے کی تجویز پیش کی جا رہی ہے۔ اس وقت ابھی محدود طور پر مرکزی انجمن تجارت یہ کام انجام دے رہی ہے اور (۱۱) اضلاع کی راشن بندی کی دو دکانیں قائم ہیں۔ یہ دکانیں نہر پال اور اچھی ساکھ کی وجہ سے اکثر مرتبہ چیمبر سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں۔

تحریک امداد باہمی کے فروغ میں اکثر و بیشتر جو چیز سب سے زیادہ حائل ہوتی رہی ہے وہ سرمایہ کی قلت ہے۔ جب کوئی انجمن قائم ہوتی ہے تو اس کی ابتدا قرضہ سے ہوتی ہے۔ اور یہ قرضہ اس کے لئے عذاب جان بن جاتا ہے۔ موجودہ تحریک کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ قلت سرمایہ کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا ہے اور ایک ایسے طبقہ کا تعاون ہم کو حاصل ہو رہا ہے جس کو پشت ہا پشت سے زرعی اور تجارتی کاروبار کا تجربہ ہے۔ تحریک امداد باہمی نے اس ایک سال میں جو مقبولیت حاصل کرلی ہے اس کا اندازہ ان اعداد سے کیا جاسکتا ہے جو ابھی میں نے آپ کی خدمت میں پیش کئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تبلیغ و اشاعت کی اسکیم منظور ہو جانے کے بعد عوام میں اس تحریک سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو جائے گی نا انصافی ہوگی اگر میں اس موقع پر اس امر کا اظہار نہ کروں کہ یہ تمام ترقی محکمہ رسد اور عہدہ داران مال سے تعاون کامل کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور اب کمرشیل کارپوریشن نے اپنے متعلقہ کاروبار انفروں کو متعلقہ یونینوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے کی اجازت دیکر کاروبار تجارتی میں بہت زیادہ سہولت پیدا کر دی ہے۔

تحریک امداد باہمی کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ اس کی سرکردگی ملازمین سرکار کے حصہ میں آئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کوئی تحریک جب سرکاری طور پر پیش کی جاتی ہے تو وہ عوامی نہیں رہتی بلکہ سررشتہ داری نظام کے تابع ہو جاتی ہے۔ وہ عوام اس کو بہ وقعت نظر کی نظروں سے دیکھتے ہیں اب جبکہ حکومت کی کوششوں اور تدبیروں سے تحریک امداد باہمی میں قوت و وقار پیدا ہو چکی ہے بہی خواہان ملک کے لئے بڑا اچھا موقع ہے کہ وہ

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

از

یوسف ناظم

استادوں نے اپنے جو دن طالب علمی میں گزارے ہیں ان کی تو انہیں یاد بھی نہیں رہتی۔ ماشاء اللہ خود بڑے ذہین طالب علم رہے ہیں لیکن اپنے شاگردوں کو نام دینے میں ہر روز دس منٹ ضرور صرف کرتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جو ان دیکھے دو سال سے ایک عنصری بنا ہوا چلا آرہا ہو۔ کسی قانون کی رو سے اس کا حق ہے کہ اپنے طالب علموں کو بھی با گدھوں کہے؟ طالب علموں کو تو ایک دو سات مضامین پڑھنا پڑتے ہیں، کیونکہ یہ سب کچھ پڑھ لینا آزمودہ فروخت کیسے ضائع ہو۔ اور ہم ہندوستانیوں کیلئے وقت کا ضائع کرنا سخت ضروری ہے ورنہ ممکن ہے آگے چل کر عزیز جان اور کوئی کام کرنے لگ جائے۔ اور عمر کا ضائع ہو جانا بڑی نامناسب حرکت ہے۔ خیر یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ بات استادوں کی تھی۔ ان میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جو چاہیں پڑھا دیتے ہیں اور پھر چونکہ "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" کوئی چوں نہیں کر سکتا۔ بہرحال جب تک مشرقی آداب زندہ رہیں گے استادوں کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ یہ یوں ہی پڑھاتے رہیں گے اور ان کے ستائے ہوئے طالب علم استاد بنتے رہیں گے۔ یعنی پھر آگئے وہیں جہاں سے چلے تھے ہم۔ یہ سلسلہ اسی طریقے سے یوں ہی چلتا رہے گا اور کوئی نہیں جو غلطی کا مقابلہ کر سکے۔

دوسرے یہ کہ اب تعلیم کا شوق اتنا بڑھ گیا ہے کہ بچہ پانچ سال کا ہوا نہیں کہ والدین کو مدرسہ بھیجنے کی سوجھی۔ اب خواہ اللہ میاں نے خاص طور پر کوشش کر کے اس کا دماغ تعلیم کے لئے نہ بنایا ہو لیکن استاد ضرور اس پر مشق ریاضت فرمائیں گے۔ مقام افسوس ہے کہ اللہ میاں نے ایک چیز بنا دی جس میں جیومیٹری اور الجبرا قسم کی فضولیات داخل نہیں کی جا سکتیں لیکن استاد صاحب ضرور تتمیم فرما دیں گے اور آخر اس میں کمال اور خوبی کیا ہے۔ بار برداری کے لئے تو آپ کو دوسرے جانور بھی مل سکتے ہیں۔ اور پھر طالب علم بیچارے فیس معہ جرمانہ داخل کر کے تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں اور آپ تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں اس لئے انہیں آپ سے خواہ مخواہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک بات یہ بھی کہنی ہی پڑتی ہے کہ استادوں کو حکومت نوکری تو دے دیتی ہے لیکن تنخواہ دیتے وقت اس کا ہاتھ رکتا ہے اور اس کی وجہ حکومت کی خست نہیں بلکہ یہ ہے کہ برسوں سے یہ بات چلی آتی ہے کہ علم کی پیاس بجھانا پڑتا ہے تو اب کا کام ہے مسکین کو بھی تنخواہ کے اعتبار سے نہ جانچنا چاہئے۔ بس یہی نظریہ حکومت کا سہارا ہے۔ یعنی حد یہ ہو گئی کہ اس افراط زر کے زمانہ میں پندرہ روپے کے مدرسین بھی اس خطۂ پاک میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ان پندرہ روپوں میں سے ایک روپیہ ماہوار ان کے مرنے کے انتظار میں کٹتا رہتا ہے۔

اور یہی مدرسین قوم کا دماغ بناتے ہیں۔ ان کے ذمہ چند بوسیدہ کام لگائے گئے ہیں۔ یہ کہ بچوں کی صحیح تربیت کرو۔ ان کو ملک و قوم کا بہی خواہ بناؤ۔ ان میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرو۔ ان میں شہری بننے کی صلاحیتیں ودیعت کرو۔ جسم اور دماغ دونوں اس قابل ہو سکیں کہ لڑائی کے زمانہ میں تو دلیر ہو کر میدان جنگ جا سکیں اور امن کے زمانہ میں اپنا دماغ روزانہ دس بارہ گھنٹے دفتر میں صرف کر سکیں اور یہ سب کام اپنے مرنے سے پہلے ختم کر دو۔ اب بتائیے کہ غریب مدرس بیچارہ کیا کرے۔ اس کو اپنے مدرسہ والوں کا قرض الگ چکانا ہے۔ اپنے حضرت سعادت کی بچے کی ولادت یا سعادت کے بعد سے بالکل پریشان ہو گئی ہیں۔ جہیز کی بوجھال جلتی ہیں۔ ہر چیز ڈشمن دار چاہیئے۔ ان کا بھی موزوں علاج کرنا ہے۔ چھوٹی بہن کے شوہر نامدار شادی کا حصہ جو وقت ذکر کر کے اور جہیز بھی لے بیٹھے بعد داغ مفارقت دے گئے۔ اس لئے بیوہ بہن کا بھی ساتھ رہنا ضروری ہے۔ لباس اس قابل نہیں کہ منتظم صاحب کے دورہ کے وقت سامنے آسکے۔ لیکن یہ سب ضمنی اور فضول باتیں ہیں۔ فریضہ تو بہرحال پورا کرنا ہے ورنہ قوم کا کیا ہوگا۔ یہ تیاری آگے چل کر کیا کرے گی۔ اگر ان بچوں کی علم کی پیاس نہ بجھائی گئی تو ملک کی باگ ڈور کون سنبھالے گا۔ اس لئے استاد بہرحال مدرسے آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ اس صحیح الدماغی کے عالم میں مدرسہ آئیگا تو مجبور ہے کہ تربیت چھوڑ کر مرمت پر اتر آئے۔ اگر دماغ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو کم سے کم ہاتھ تو سلامت ہیں نا۔ اور پھر جب خود اس کے خانگی بچے دست شفقت سے نہ بچ سکے تو یہ طلبہ بیچارے کیوں اس نعمت سے محروم رہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قوم خود دار بننا سیکھتی ہے۔ سرفروشی کا جذبہ یہیں پیدا ہوتا ہے۔ بہرحال جب تک مدرسے قائم ہیں اور شفیق استاد موجود ہیں ہندوستان سے مار پیٹ کی رسم نہیں اٹھ سکتی۔ یہی وہ شاندار روایات ہیں جو ہمیں اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہیں۔ ہمارے اسلاف بھی استادوں کے ہاتھ سے بچے نہیں۔ اس لئے ہم پر مذہبی اور اخلاقی دونوں فرض عائد ہوتا ہے کہ پٹتے جائیں اور تعلیم حاصل کرتے رہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم نے آنکھیں ہی کھولی ہیں مار پیٹ کی فضا میں پروان چڑھے ہیں۔ جھڑکیوں اور گالیوں کے سائے میں اور پھر جب کہ برسوں سے انہوں کی لاتیں سنتے اور کھاتے چلے آرہے ہیں تو اب کون سی مصیبت آن پڑی ہے کہ خواہ مخواہ اپنی حمیت کو جوش میں لائیں۔ خواہ مخواہی کی دوسری مول لینے سے یہ ناگ کر بیٹھا ہمارا برسوں کا شعار ہے۔ مشرقی روایات کو ہم چھوڑ نہیں سکتے۔ خود ہمارے استادوں کی فضول خرچی کی وجہ سے جب پندرہ روپے مہینہ ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جاتے تھے تو کیا انہوں نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ ہم کو بھی تو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ جب ضرورت پڑے گی آزادی بھی مانگ لیں گے مل گئی تو مل گئی ورنہ کچھ نہیں۔ انہیں حالات کو سمجھتے ہوئے حکومت یہ جانتی ہے کہ اگر استادوں کو ذرا فراغ حاصل ہوا تو یہ نہیں مٹ جائیں گی اور ان خوبیوں سے طالب علم محروم ہو جائیں گے جو ان میں اب موجود ہیں۔ اس لئے حکومت کبھی مدرسوں کو ان کے مالیاتی موقف کے اعتبار جانچنے کی اور بے عزتی نہیں کرنا چاہتی۔ ہاں عادتوں میں جتنا چاہے خرچ کرو۔ کیونکہ یہ زندہ رہنے والی چیزیں ہیں جو آج سے ایک دو سال بعد جب کیا ہوگی تو

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

با تنقید:۔
کانگریسی اخبارات کے شور و غوغا اور کانگریس کے سرپرستوں کی طرف سے پانی کی طرح روپیہ بہانے کے باوجود مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں لیگ کے مخالفین کو کامیابی نصیب ہوئی۔ صوبہ متوسط، پنجاب اور دیگر صوبوں میں اب تک تمام نشستوں پر لیگ نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس واقعہ سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کونسی جماعت کرتی ہے۔ اور کانگریس کا یہ موقف بے نقاب ہو جاتا ہے کہ وہ سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ .... اکثر حلقہ ہائے انتخاب میں کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی شکست اس بات کی دلیل ہے کہ کانگریس کو فرقہ پرست ہندوؤں کا اعتماد حاصل۔ (انڈین اینڈ انڈیا)۔

مسٹر چرچل نے عمالی حکومت پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ داخلی امور سے غفلت برت رہی ہے۔ (ایک خبر)

کیا مسٹر چرچل اس سے بے خبر ہیں کہ خارجی امور میں مسٹر انتھنی مسٹر چرچل ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ قدامت پسند جماعت کو صرف سلطنت برطانیہ کی برقراری سے دلچسپی تھی مگر عمالی حکومت کو مشرق میں ولندیزی اور فرانسیسی سلطنت کی بحالی سے بہت دلچسپی ہے۔

کانگریس کے صدر عمومی مسٹر کرپلانی نے ایک تقریر میں فرمایا کہ:۔

شملہ کانفرنس ایک تماشہ تھی
یہ تماشہ کیوں کھیلا گیا ہم سمجھ سکتے
لیکن ایک انقلابی جماعت کی
حیثیت سے اس کانفرنس میں
کانگریس کی شرکت ضروری تھی۔

اب انتخابات کے بعد شاید مسٹر کرپلانی فرمائیں گے کہ انتخابات ایک تماشہ تھے اور ایک انقلابی جماعت کی حیثیت سے کانگریس کا اس میں حصہ لینا ضروری تھا۔ انقلاب زندہ باد!!

ناظم صاحب تعلیمات کی زبانی پھر ایک مرتبہ یہ سن رہے ہیں کہ ایک خاص رقبہ میں جبری تعلیم کے رائج کرنے پر غور ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ یہ امر قابل طلب ہے کہ وہ خاص رقبہ جس میں تعلیم ابتدائی جبری کے نفاذ پر آئندہ غور ہو سکے گا ملک سرکار عالی کا کونسا خوش قسمت خطہ ہوگا۔ (مشیر دکن)

ہمارے نامہ نگار خصوصی کی اطلاع ہے کہ وہ "خوش قسمت خطہ" جو اس غرض کے لئے منتخب ہوگا وہ گویا گزٹ کا رتبہ ہوگا۔

انتخابات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کی کامیابی کی خبر کو معاصر "پیام" نے طنزیہ انداز میں اس سرخی کے تحت شائع کیا ہے:۔

"ڈاکٹر صاحب پھر سیاسی گھوڑے سوار ہیں"

ہم نہ کہتے تھے کہ معاصر "پیام" کو کسی گھوڑے سے نہیں بلکہ صرف ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد سے کد ہے۔ اگر دوسروں کو ایسی کد ہوتی تو وہ "بدذوقی" کی علامت ہوتی مگر "پیام" کے لئے یہ عین خوش مذاقی ہے۔

پنڈت راما چاری کرناٹک کانفرنس کی مجلس عاملہ سے مستعفی ہو گئے (ایک خبر)

مخالفین کا شاخسانہ! پنڈت کاشی ناتھ راؤ ویدیہ اور مسٹر نرسنگا راؤ نے پنڈت راما چاری کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ پنڈت راما چاری اب کس انجمن میں شریک ہوں گے۔ مگر ہمارے ایک دوست کا خیال ہے کہ:۔

سچ ۔ وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

کوتوالی بلدہ کے سخت انتظامات کے باوجود حیدرآباد میں جیل بازی، بٹیر بازی اور سٹہ بازی کی مشقیں موجود ہیں (ایک معاصر)

ہم اس خبر کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ عمائد القوم نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ملک میں سیاسی بیداری اور احساس ذمہ داری اس درجہ ترقی پا چکا ہے کہ پبلک کارکنان میں تجربہ

یا یہ حکومت پر چند وزراء کا انتخاب انتخابات کے زمانہ کے مطابق ہوگا۔

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔
حیدرآباد میں ایک انجمن محبان سوویٹ روس قائم ہوئی ہے جس کا مقصد اہل حیدرآباد کو کتابی تعلیم سے وابستہ کرنا ہے جو سوویٹ روس سے ہمدردی رکھتے ہیں اور وہاں کے باشندوں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے کے متمنی ہیں۔ اس انجمن کے ارکان میں قاضی عبدالغفار صاحب اور کامریڈ نارائن ریڈی کے نام قابل ذکر ہیں۔

مسٹر نرسنگ راؤ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک روس کی خارجی پالیسی کا تعلق ہے قاضی صاحب کامریڈ نارائن ریڈی کا ساتھ دینے لگے اور جہاں تک مسلم لیگ کی مخالفت کا تعلق ہے وہ بدستور مسٹر نرسنگ راؤ کے ساتھ ہیں۔

شاہ زمن کے ادارہ میں معاصر "رہبر دکن" نے یہ سفارش کی ہے کہ سکندرآباد میں ایک کالج قائم کیا جائے جہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو۔

دیسی زبان کے مقابلہ میں بدیسی زبان کو ترجیح دینا شاید معاصر محترم کے نزدیک قوم پرستی کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

پنجاب میں مسلم لیگ کا اثر

سید سجاد ظہیر

مسلمانوں کے دلوں میں مسلم لیگ کے
لئے بے انتہا عزت اور محبت اور پاکستان
کے لئے بڑا جوش ہے۔ عام جلسوں کا ہجوم
دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی
بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے
اور الیکشن میں ہر ضلع میں درست صورت کرانے
کا موقع ہو تو مسلم لیگ تمام مسلم نشستوں کو
جیت سکے گی۔ ایک زمانہ میں یونینسٹ
مسلمانوں کا مرکز تھی۔ لیکن آج وہاں
کی صورت حال بدلی ہوئی ہے۔ ہر جگہ
یہاں لیاقت علی خاں کی تقریر سننے کے لئے
ہزاروں آدمی جلسے میں آئے۔ لاہور میں
ان کی تقریریں سننے کے لئے اس سے بھی
بڑا اجتماع تھا۔ بقر عید کے دن لاہور
کی شاہی مسجد میں پچاس ہزار مسلمان
عید کی نماز پڑھنے آئے تھے۔ لیگی والنٹیر
لیگ کے نشان فروخت کر رہے تھے
جنہیں ہر شخص نے خرید کے لگا رکھا تھا
... میں لگا لیا تھا۔ اسی مجمع میں
... خاکسار، والنٹیر اشتعال انگیز نعرے
لگا رہے تھے لیکن کسی نے ان کی طرف دھیان
نہیں دیا اور ان کے نعروں کو نہیں گونجایا۔
مسلم لیگ کی پارلیمنٹری کمیٹیوں کی طرف
سے لاہور کے مختلف محلوں میں جلسے ہوتے
ہیں، اور مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ
لیگ کو ووٹ دیں۔ لاہور کے مضافات
... کی ... علاقہ ... وہاں لیگ
کی کانفرنسوں میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت
کی دیہات میں لیگ کا کافی چرچا ہے۔ ہر طرح
لیگ کی کافی مدد ہو گئی ہے۔ مسلم کسانوں کی اکثریت

غریب زمیندار، جاگیرداروں اور بعض جگہ کے
نمبردار اور ذیلدار تک لیگ کے جلسوں
اور کانفرنسوں میں شریک ہوئے ہیں۔ میں
نے روہتک (دانبال) ڈویژن میں لیگ
کی ایک ضلع کانفرنس دیکھی جہاں تعلیمی اعتبار
سے لیگ گروہ ہے اور ضلع میں ہندو آبادی
کی اکثریت ہے۔ پھر بھی کانفرنس میں پچاس
ہزار سے زیادہ کا مجمع تھا۔ ضلع کی چاروں
تحصیلوں سے لوگ آئے تھے جن میں زیادہ تر
کسان اور غریب تھے۔

میں نے نکودر (ان پورہ لاہور) میں لیگی
کارکنوں کا سیاسی ٹریننگ اسکول بھی دیکھا
پنجاب کے سو ضلعوں سے تیس کارکن سیاسی
تعلیم حاصل کرنے آئے تھے ان میں دیہاتی مدرس،
غریب مولوی، طالب علم، کسان اور چھوٹے
چھوٹے زمیندار تھے۔ تعلیم دینے والوں میں
میاں بشیر احمد، عبداللہ ملک اور دانیال
لطیفی تھے۔ یہ اسکول ایک ہفتہ تک جاری
رہا۔ جن موضوعات پر لیکچر دیئے گئے وہ بہت
اہم تھے۔ مثلاً ہندوستان میں برطانوی
شہنشاہیت کی تباہ کاریاں۔ خصوصیت سے
ساتھ ان صنعتوں کی تباہی جو مسلمانوں کے
ہاتھ میں تھیں۔ جیسے بنگال میں کپڑے کی
صنعت۔ انیسویں صدی کی ابتدا سے سید احمد
خان کے زمانہ تک مسلمانوں کی وطنی تحریک،
کانگریس کی رہنمائی میں ہندوؤں کی تحریک
آزادی۔ خلافت تحریک، مسلم لیگ کے
ارتقا، اور مطالبۂ پاکستان۔ پنجاب میں
یونینسٹوں کی رجعت پرستی اور اس کے خلاف
لیگ کی جدوجہد ان کے علاوہ لیگ کے

مسائل اور الیکشن کے سوال پر بھی بحث ہوتی
اس سے پہلے صوبائی مسلم لیگ نے ایک اسکول
اور کھولا تھا۔ اب تیسرا اسکول ۲۶ دسمبر سے
کھلنے والا تھا۔

میاں افتخار الدین اور ممتاز دولتانہ
نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ مغربی پنجاب کے
مسلم ضلعے راولپنڈی اور ملتان میں کس طرح
بیداری کی لہر دوڑ رہی ہے۔ یہاں پہلی بار
لیگ آزادی اور پاکستان کا پیغام لے کر عوام
کے پاس گئی ہے۔ خوفزدہ کسان لیگ کے
جلسوں میں آکر آزادی کا پیغام سنتے ہیں انہی
جلسوں میں وہ بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں
کو بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ یہ پیغام
سنتے ہیں کہ لیگ کے سبز جھنڈے کے نیچے جمع
ہو جاؤ۔ زمینداروں اور پولیس کے مظالم
سے مت ڈرو۔ بہادری کے ساتھ ان کا
مقابلہ کرو۔ وہیں زمینداروں سے بھی یہ کہا
جاتا ہے کہ اپنے پرانے قبائلی جھگڑے بند کرو،
خود غرضی چھوڑ دو اور اپنے ذاتی مفاد کو قوم
کے مفاد پر قربان کر دو۔ بڑے زمینداروں
اور جاگیرداروں کے گروہ میں پھوٹ پڑ گئی
ہے۔ صرف تھوڑے سے رجعت پرست یونینسٹ
پارٹی اور زمیندار لیگ کے ساتھ رہ گئے ہیں
باقی سب لیگ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے۔
پچھلے تین ماہ سے یونینسٹ پارٹی
کے لوگ ملتان میں عام جلسے نہیں کر سکے ہیں
عوام کے سامنے جاتے ہوئے ان کا دم نکلتا ہے
وہ بند کمرے کے اندر چند جاگیرداروں
کا جلسہ کر لیتے ہیں۔ دولتانہ نے مجھے بتایا کہ
یونینسٹ وزیر عاشق حسین نے اپنے حلقہ ملتان
میں کوئی دو سو بڑے زمینداروں کا
ایک جلسہ کیا اور ان کو یونینسٹ پارٹی کے
ساتھ رہنے کا وعدہ کیا۔ ان کو خطاب اور
تمغے کے تحفظات یاد دلائے۔ لیکن ان
زمینداروں میں بہت سے ایسے تھے جنہوں
نے عاشق حسین سے کہا مسلم لیگ اور پاکستان
کی مخالفت کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے

عوام ان کی ایک نہ سنیں گے۔
ایسی قسم کا ایک واقعہ راجہ کے جلالی
کے ساتھ پیش آیا۔ جلالی صاحب پنجاب کے
سب سے امیر ترین ٹھیکیدار کے لڑکے ہیں اور
یونینسٹ پارٹی کے بہت بڑے رکن ہیں
وہ ضلع فیروز پور کے دیہاتی حلقے سے امیدوار
ہیں۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ عوام مسلم لیگ
کے ساتھ ہیں اور یونینسٹوں کے مخالف ہیں
تو انہوں نے بڑے غرور سے جواب دیا کہ میں
پانچ لاکھ روپیہ صرف کروں گا۔ اور الیکشن
جیت لوں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ یونینسٹ
پارٹی اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے مردہ ہو چکی
ہے۔ عوام اس کے ساتھ نہیں ہیں۔ اب وہ
پنجاب میں سرکاری حمایت، سازشوں اور
بدعنوانیوں کے برتے پر زندہ ہے۔

لیکن مسلم لیگ جو سب سے بڑی سیاسی
قوت ہے یونینسٹوں کے مقابلہ پر ہے۔
اور ان کی شرارتوں کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے
مگر مسلم لیگ کی انتہا سے کر رہی ہے۔ ایک
ذمہ دار لیگی لیڈر نے مجھ سے کہا کہ اگر لیگ کے
بعد جیتنے اور کام کرنے کا موقع مل جاتا تو
تین چار بڑے جاگیرداروں کی نشستیں چھوڑ کر
باقی سب مسلم نشست یونینسٹوں کو نہیں مل سکتی
تھی لیکن اس وقت صورت یہ ہے کہ ان کا
مسلم نشستوں میں سے لیگ زیادہ سے زیادہ
پچاس ساٹھ نشستیں جیتنے کی توقع کرتی ہے
آخر اس کمزوری کی وجہ کیا ہے؟

پہلی اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ
پنجاب کے لیگی لیڈر ان عام مسلمانوں کو سیاسی
طور سے منظم کر کے مضبوط نہیں بنا سکے جن
میں ہر وقت بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ سب
کو شکایت ہے کہ لیگ کے پاس اچھے کارکنوں
اور مقرروں کی کمی ہے۔ یہ عجیب اور افسوس کی
بات ہے کیونکہ اس وقت پنجاب کا تقریباً
پورا تعلیم یافتہ درمیانی طبقہ لیگ کے ساتھ ہے
اور ان کی ذہنیت بنا بنا یا مسلم کسانوں اور شہری
عوام کی بیداری اور آزادی کا جوش ہے۔

امداد باہمی کے ذریعہ عظیم تر حیدرآباد کی تعمیر

از
جناب سید اصغر حسین صاحب بی اے آنرز ایچ سی ایس

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے وسائل وذرایع ہیں جن کے توسط سے ہم اپنے عوام کی خوشحالی و مرفہ الحالی میں اضافہ کرکے ان کا معیار زندگی بلند کرسکتے ہیں۔ عام طور پر جب اس مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے یا اس کا کوئی حل پیش کیا جاتا ہے تو وہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں بڑے بڑے تالابوں کا جال بچھا دیا جائے۔ جگہ بہ جگہ نہریں کھدوادی جائیں برقابی قوتوں پر تصرف حاصل کرکے ہر گھر میں بجلی کی روشنی پہونچادی جائے ملک میں چھوٹی بڑی صنعتوں کے حصار کارخانے، بنک اور تجارتی کوٹھیاں قائم کردی جائیں، ہزاروں میل لمبی سڑکیں بنادی جائیں اور ان سب سے بڑھکے اور ہر شعبہ کے لئے چند نوجوانوں کو فنی مہارت حاصل کرنے کی غرض سے بیرون ملک بھیجا جائے۔ یا بیرون ملک سے چند ماہرین کی خدمات مستعار لی جائیں۔ جو حضرات عوام کے افلاس کو دور کرنے کے لئے صرف اتنا کافی سمجھتے ہیں ان سے میں ادباً یہ عرض کروں گا کہ وہ انگلستان اور امریکہ کے عوام کی حالت کا مطالعہ کریں۔ وہاں یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن پھر بھی عوام کی غربت وافلاس کا مسئلہ علیٰ حالہ قائم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی عوام کے مقابلہ میں ان کا معیار زندگی کسی قدر بلند ہے۔ لیکن پھر بھی ان کو خوشحال اور آسودہ حال نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا جب امریکہ و انگلستان جیسے ترقی یافتہ ممالک میں ان چیزوں کی موجودگی اس مسئلہ کا حل نہ کرسکی تو حیدرآباد میں اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

نظام معیشت میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت ہے

ہندوستان یا حیدرآباد میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دراصل ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک میں نظام معیشت میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں کیونکہ ہمارے عوام کا افلاس براہ راست ہمارے موجودہ نظام معیشت کا نتیجہ ہے اور تاوقتیکہ اس میں تبدیلیاں نہ کی جائیں ان کی خوشحالی و ترقی ناممکن ہے خواہ ہماری صنعت و حرفت کی ترقی انتہائے کمال ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے موجودہ حالات میں صنعتی اور تجارتی ترقی کے مواقع فراہم کردینے سے یہ تو ہوسکتا ہے کہ ملک میں چند مہم جو قسمت آزما سیٹھ، تاجر اور صنعت کار پیدا ہوجائیں اور ان کے وسیلے سے چند خاندان یا ایک چھوٹی سی جماعت دولت مند بن جائے۔ یا اس وقت جو لکھ پتی ہیں وہ کروڑپتی اور جو کروڑپتی ہیں وہ ارب پتی ہوجائیں لیکن اس سے عوام کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور ان کا ادبار وافلاس جوں کا توں قائم رہے گا۔ صنعتی وتجارتی ترقی صرف اسی وقت عوام کے لئے نفع بخش ثابت ہوسکتی ہے جب کہ وہ درحقیقت عوام کے لئے ہو اور اس سے جو آمدنی حاصل ہو وہ عوام کی جیب میں جائے یا ان کی سماجی ضروریات پر صرف ہو۔

ایک نئے نظام معیشت کی تلاش

اس وقت دنیا کو بظاہر دو نظام معیشت میں سے کسی ایک نظام معیشت کا انتخاب کرنا ہے ایک نظام سرمایہ داری اور دوسرا نظام اشتراکیت۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور بھی ایسا معاشی نظام موجود ہے جو ان دونوں کے افراط وتفریط سے پاک ہونے کے علاوہ اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے کہ عوام کی اقتصادی اور سماجی مسائل کا اطمینان بخش طریقہ پر حل کرسکے۔

نظام سرمایہ داری اور اس کی تباہ کاریاں

نظام سرمایہ داری کی سب سے بڑی خصوصیت وسائل پیدائش کی نجی اجارہ داری ہے۔ بالفاظ دیگر ملک میں جس قدر پیدائش دولت کے ذرائع موجود ہوتے ہیں ان پر صرف چند افراد یا ایک چھوٹی سی جماعت کا قبضہ ہوتا ہے اور بقیہ آبادی ان سے استفادہ کے مواقعوں سے کلیتاً محروم رہتی ہے۔ یہ اشخاص اپنے سرمایہ کے بل بوتے پر ایک کثیر آبادی کو اس پر مجبور کردیتے ہیں کہ وہ اپنی محنت کو ان کے ہاتھ فروخت کردے۔ سرمایہ ومحنت کی اس یکجائی سے جس کو جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ تو یہ خود اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور صرف قلیل ترین جز محنت کش کو دیتے ہیں۔ اس نظام معیشت میں ایک چھوٹے سے سرمایہ دار طبقہ کا موقف اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ وہ محنت کرنے والی ایک بہت بڑی اکثریت کو اپنے شرائط پر کام کرنے کے لئے مجبور کرسکتا ہے وہ ہر طرح مالک ومختار ہوتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں محنت کرنے والے بالکل بے بس ولاچار رہتے ہیں محنت کی خرید وفروخت بالکل ایک طرفہ ہوتی ہے اور فریق ثانی کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی محنت کا مول تول کرسکے۔

جس کی وجہ سے وہ لوگ جو دولتمند بننے کے پورے مواقع حاصل رہتے ہیں لیکن غریب بھوکے اور ترقی کرنے کے تمام مواقع سے محروم رہتا ہے۔

اس نظام معیشت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ پیدائش دولت پر چونکہ ایک چھوٹے سے طبقہ کو تصرف حاصل ہوتا ہے اس لئے اشیاء مایحتاج کی قیمتوں کا تعین اس کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اور عوام کی قوت خرید کا لحاظ کئے بغیر اشیاء کی قیمتوں کو مقرر کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے روزمرہ زندگی کی ضرورت کی بیشتر اشیاء صرف ایک مٹھی بھر طبقہ کو میسر آتی ہیں اور ایک بہت بڑی اکثریت ان سے محروم رہتی ہے اور ان کا معیار زندگی ہمیشہ پست رہتا ہے۔ اشیاء کی قیمتوں کے تعین میں جب عوام کی قوت خرید کے مطابق تعین نہ ہو تو مزدوری کا نتیجہ بے کار ہوتا ہے تو اس سے نہ صرف ملک کے عام معیار زندگی پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ ملک کی صنعتی اور تجارتی ترقی کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور بیروزگاری کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ معاشیات کا یہ ایک سیدھا سادا اصول ہے کہ اشیاء کی جتنی زیادہ کھپت ہوگی صنعت و تجارت اسی اعتبار سے ترقی کرے گی اور اشیاء جب تک روزگار سے لگ نہیں سکیں گے۔

اس نظام سرمایہ داری کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسانوں کے لئے کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا۔ ہر شخص اپنی روٹی پر دال گھسیٹنے کی فکر میں رہتا ہے اور دوسرے کی احتیاجات اور ضروریات کا کوئی خیال نہیں ہوتا اپنی دنیا بنانے کی دھن سب کے سروں پر سوار رہتی ہے اور کسی کو یہ نہیں سجھائی دیتا کہ اس کے عمل سے بقیہ انسانوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے ذاتی مفاد خود غرضی وخود پرستی رشک و حسد اس نظام کے خاص لوازمات ہیں جس کی وجہ سے ہر انسان دوسرے انسان کی

...ت ہے ایک تمام دوسری جماعت ...ن ہونے کو تیار نہیں ہے۔ اور دنیا ...قدار قومیں ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے ...ی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام ...سان اور انسانوں کی تمام جماعتیں اور ...مستقل طور پر ایک دوسرے سے ...ت گریباں رہتی ہیں اور کہیں کشمکش کہیں انفرادی قتل و غارت گری کی شکل اختیار ...ی ہے اور کہیں طبقہ واری آویزش کی ...ورت میں رونما ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی ...وں اور قوموں کے درمیان ایسی ...ھ کر جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ...ے جس سے پوری انسانیت لہو لہان ...تی ہے۔

...کے لئے ابھی میدان تیار نہیں
اشتراکیت

ایک دوسرا نظام معیشت جو اس ...ت سرمایہ داری کا حریف مقابل بنکر ...س کے وجود اور سلامتی کو چیلنج دے رہا ... وہ نظام اشتراکیت ہے خوش قسمتی ...ی اس وقت نظام اشتراکیت پر زبان ...ولنا کوئی تعزیری جرم نہیں ہے اس لئے ...پ کے سامنے اس نظام کی چند تفصیلات ...ے پیش کرتا ہوں۔

نظام اشتراکیت کا بنیادی اصول ...ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے اس ...ت کائنات اور اس کے تمام خزانے ...سب انسانوں کے لئے پیدا کیا ہے ...ر انسان کو مساوی حق دیکر اس دنیا ...یا ہے۔ چنانچہ کسی ایک فرد یا جماعت ...کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ بقیہ افراد ...عتوں اور قوموں کو ان کے فطری اور ...ی حقوق سے محروم کر کے خود اس ...ت کائنات اور اس کے تمام وسائل پر ...قبضہ کرکے اور باقی ماندہ انسانوں کو ان ...کے استفادہ سے روکے

ہر شخص کو یہ فطری اور پیدائشی حق ہے کہ قدرت کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتوں سے اس کو مساوی استفادہ کا موقع ملے۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ روشنی اور ہوا کے سوا بقیہ تمام وسائل اور ذرائع پر صرف چند انسانوں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ ان کو اپنی ملک بنا کر ان سے استفادہ کا حق صرف اپنی ذات یا اپنے چند متوسلین تک محدود کئے ہوئے ہیں۔ اپنے ابتدائی موقف سے فائدہ اٹھا کر ان چند افراد نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ ان کے سرمایہ کے بغیر محنت عملاً بیکار ہو گئی ہے اور وہ پروردگار عالم کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو منفعت بخش طریقہ پر استعمال نہیں کر سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت پیدائش دولت کے عمل میں محنت بجائے آقا بننے کے سرمایہ کی غلام و دست نگر بن گئی ہے۔ نظام اشتراکیت اس بوالعجبی کی اصلاح کرتا ہے۔ اور اس پر زور دیتا ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں کا استعمال سب کے فائدہ کے لئے ہو۔ پیدائش دولت کی اسکیم میں سرمایہ کے بجائے محنت انسانی کو اولیت حاصل ہو۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ جب دنیا کی تمام نعمتیں عالم انسانی کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور سب انسان برابر ہیں تو کسی اتفاقی حادثہ یا انسانی حیلہ و جتن کو اس کی اجازت نہ ملنی چاہیئے کہ وہ بقیہ انسانوں کو ان نعمتوں کے استفادہ سے محروم کر دے۔ اسی اصول پر اشتراکیت اجارہ داری اور مفادات حاصلہ کی مخالفت کرتی ہے۔ اور کسی کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ پیدائش دولت کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھے۔ (باقی دارد)

بقیہ صفحہ اوّل

باسفورس اور خلیج فارس تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا برطانیہ نے ترکوں کی حمایت کی اور ایران کے معاملات میں بھی مداخلت کی۔

بحر روم میں سمندری راستہ حاصل کرنا روس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ مشرقی یورپ میں روس نے پورٹ آرتھر حاصل کر لیا ہے۔ اب وہ جنوبی ایشیا میں سمندری راستہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ راستہ صرف خلیج فارس سے حاصل ہو سکتا ہے۔ زار کے زمانہ میں اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی رہی۔ اب سوویٹ روس بھی یہی کوشش کر رہا ہے اور اسی وجہ سے وہ ایران میں ایک ایسی حکومت کے قیام کا خواہشمند ہے جو اس کی دوست ہو۔ یہی نقطہ نظر غالباً ممکن معلوم نہ ہوگا کیونکہ جنوبی ایران میں برطانیہ کے مفادات کا تقاضا یہ ہے کہ سوویٹ کے اثر کو پھیلنے سے روکا جائے اگر روس کو شمالی ایران کا تخلیہ کرنا پڑا تو یہ اس کی بڑی سیاسی شکست ہوگی۔

ایران میں روس کا اثر ہندوستان کے لئے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا سیاسی اثر یہ ہوگا کہ ہندوستان کی بعض سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں تیز تر ہو جائیں گی۔ سوویٹ روس کے اثرات ہندوستان میں سرعت کے ساتھ پھیلتے جائیں گے۔ ایران کی آزادی ایشیائی ممالک کی آزادی کے لئے ضروری ہے۔

بقیہ صفحہ (۵)

سارا عالم بچارا مٹی گھتا کہ واہ واہ کیا گت تھی۔ اس زمانہ کی لن ترانیں اسی دور کا حصہ تھا۔ کاش کہ ہمارا استاد کسی درگاہ کے مجاور کی دعا کے شکار ہو سکتے یا پھر ان کا شعور اتنا بلند ہو جاتا کہ وہ بجائے مدرس بننے کے پوسٹ مین بننا شروع کر دیتے تنخواہیں تو برابر ہی ہیں اور پھر پوسٹ مین بننے میں برائی کونسی ہے۔ شریف پیشہ کر کے بھی کمایا جا سکتا ہے پیام رسانی تو حضرت جبرئیل نے بھی کی ہے کسی نے انہیں آج تک نام نہیں رکھا۔ پوسٹ مین کا کام سے کم لوگ انتظار تو کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مدرسین کے طبقہ کی ابتدا ہی غلط ہوئی جب سے ملک الموت اس خدمت سے برطرف ہو دنیا کے سارے مدرسین پر اس کا اثر پڑا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرسین کی اب خدمت کیا ہے آخر فرشتے بھی تو اب بغیر مدرس کے کام چلا ہی رہے ہیں۔ بظاہر تو آپ ان کے پاس کے کسی کام میں فرق نہیں آیا۔ بالکل اسی طرح پانی کسی سال زیادہ پڑ جاتا ہے فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں یا کسی سال پڑتا ہی نہیں قحط آ جاتا ہے استاد کے نہ ہونے کی وجہ سے حال کچھ بھی فرق نہ پڑا۔ ایک بات البتہ ہو سکتی ہے کہ ملک الموت نے ہی حکومت کے کان میں یہ بات پھونکی ہوگی کہ اس طبقہ کو زندہ کے پیمانوں سے نہ جانچئے ورنہ جہاں اور ان کو اندھا دھند تنخواہیں دکھائی میں وہاں ابھی ابھی کچھ مل ہی جاتا۔ حکومت کی جڑیں تو ہل جاتیں لیکن نہیں ایسا ہو نہیں سکتا۔ اگر استادوں کی مالی حالت درست ہو گئی اور انہوں نے سچ مچ بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا تو آگے چل کر یہ بڑا اندھیر مچائیں گے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ زنجیر ٹوٹ جائیں اس لئے ملک و قوم کی خاطر ان مدرسوں اور مدرسوں دونوں کا اسی حالت میں رہنا ضروری ہے۔

اعلان

محکمہ معتمد سرکار عالی صیغہ رسد

(۳۹) مورخہ ۲۸ ر دے ۱۳۵۵ف

بغرض اطلاع عام اعلان کیا جاتا ہے کہ بہ نفاذ ان اختیارات کے جو از روئے شرط متعارفہ شق (۲) دفعہ ۶ دستور العمل انسداد ذخیرہ بندی و نفع اندوزی بابتہ ۱۳۵۳ف مجھے حاصل ہیں بحوالہ فقرہ (ب) شق مذکور ہندوستان میں تیار شدہ (اسٹیشنری) سامان نوشت و خواند (باستثنا ان اشیا کے جو کاغذ اور مقوے سے تیار کئے گئے ہوں) کی انتہائی قیمت کے تعین کی غرض سے جو کوئی تاجر عاید کرسکے گا تیار کنندہ کی قیمت فروخت پر حسب ذیل اضافہ منظور کرتا ہوں

(۱) اگر شئے مذکور کسی تاجر کو فروخت کی جائے تو قیمت تیار کنندہ پر (۳۵) فیصد اور محصول کروڑگیری۔

(۲) دیگر صورتوں میں قیمت تیار کنندہ پر (۴۰) فیصد اور محصول کروڑگیری۔ فقط

شرحاد دستخط

منجانب معتمد رسد

قومی تعمیر نمبر (۶)

صحت عامہ۔

اگرچہ یہ ایک پرانی مگر ایسی ضرب المثل ہے جس کی صداقت میں تاحال کوئی فرق نہیں آیا ہے "تندرستی ہزار نعمت ہے"۔ اور کوئی بیمہ کا ادارہ غیر تندرست زندگی کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا اس طرح ہر شخص کو کامیاب زندگی اور قومی مفاد کے لئے تندرست رہنے کی ترغیب دیتا ہے

قومی معاشیات۔

"بیمہ کے ادارے" قوم کی معاشی زندگی کے سنگ بنیاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب حکومت صنعتی و تعلیمی لائحہ عمل کو بڑے پیمانہ پر چلانے کے لئے قرضہ جات کا اعلان کرتی ہے تو جان کے بیمہ کے ادارے ہی تیار ہوتے ہیں جو ایسے قرضہ جات کے بڑے حصہ کے لئے رقم فراہم کرتے اور اس طرح قومی تعمیر میں حصہ لیتے ہیں۔

تمدن۔

"حیدرآباد کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی" اس سے بھی آگے ہے۔ ہندوستانی زبان کو اپنے کاروبار کا ذریعہ قرار دیکر ایک بڑی تمدنی خدمت بھی انجام دی ہے۔ جس سے جان کے بیمہ کی افادیت کا ملک کے ہر متوسط سے متوسط آدمی تک بھی پہنچنا ممکن ہو گیا ہے اور جس سے تمام کاروباری معاملات میں اردو کے استعمال کیلئے ایک نئی راہ کھل گئی ہے اس ملکی ادارے کے رکن بن کر آپ قومی تعمیر کی ایک بڑی خدمت انجام دینگے۔

حیدرآباد کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی محدود

بشیر باغ روڈ حیدرآباد دکن

اشتہار

بجریہ محکمہ عدالت نظامت ضلع کریم نگر۔

نمبر مقدمہ ( ) واقع ۲ بہمن ۱۳۵۵ف

باجلاس رائے ناگیشور پرشاد وپنچ بی۔ ایس۔ ناظم ضلع

ونتی رام کشٹم مرافع بنام گنگی شٹی رام لنگم وغیرہ مرافعہ علیہ۔ **دعوے**

بنام گنگی شٹی رام لنگم ولد پلیا قوم بقال عمر ۵۰ سال پیشہ تجارت ساکن موضع … تعلقہ کریم نگر حال مقیم اسٹیشن جنگاؤں تعلقہ حضور آباد۔

ہرگاہ مقدمہ مندرجہ عنوان میں بنا راصلی تجویز عدالت منصفی تعلقہ حضور آباد مورخہ ۱۶ شہریور ۱۳۵۳ف عدالت ہذا میں مرافعہ پیش ہوا ہے۔ بسماعت مرافعہ کیلئے تاریخ پیشی مقرر کرکے تمہارے نام سمن جاری کئے گئے مگر تمہارا پتہ نہ ملنے سے سمن کی تعمیل نہیں ہوئی۔ اس لئے حسب درخواست مرافع بذریعہ اشتہار ہذا تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم تاریخ ۳۰ بہمن ۱۳۵۵ف یوم چہارشنبہ بوقت ۱۰ ساعت دن عدالت ہذا میں حسب ضابطہ حاضر ہوکر پیروی مقدمہ کرو ورنہ بصورت غیر حاضری مرافعہ کی سماعت یکطرفہ عمل میں آکر تجویز صادر کردی جائے گی۔ فقط

دستخط

ناظم عدالت ضلع

انجمن افاغنہ مملکت آصفیہ

استر... سکندرآباد کے صدر میں جو جلسہ پیپلز کلب میں منعقد ہوا تھا اس میں نواب ولی داد خان صاحب صدر دزئی نے جو درباری لباس میں تھے رسم پرچم کشائی انجام دیتے ہوئے فرمایا برادران افغان اعراب اور دیگر حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی اس پیش کش کو قبول کرتا ہوں جس طرح میرے اسلاف نے مملکت اور خاندان آصفی کے لئے قربانیاں کی تھیں آپ لوگوں کے تعاون سے میں بھی آج ہر توانائی کے ساتھ مملکت اور خاندان آصفی کی بقا کے لئے کسی قسم کی قربانی دریغ نہیں کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ بھی قربانیوں میں میرے شریک رہیں گے اور اپنی جان اور اولاد کو تک قربان کر دیں گے۔

رسم پرچم کشائی کے بعد مولوی عبدالحلیم صاحب صدر انجمن افاغنہ مملکت آصفیہ نے نواب ولی داد خان صاحب کے متعلق کہا کہ جس طرح آپ کے اسلاف نے خاندان آصفی کے لئے جان نثارانہ خدمات پیش کی تھیں اور ہمارے اجداد نے بھی آپ کے اجداد کا ساتھ دیا تھا اسی طرح آج بھی ہم آپ کو اپنا سردار (صدر) تسلیم کرتے ہیں اور اس پرچم آصفی کے سایہ میں ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس پرچم اور مملکت و خاندان آصفی کی بقا کے لئے ہم افاغنہ آپ کی سرکردگی میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

مسئلہ شام و لبنان

لندن ۔ ۱۰ر دسمبر۔ یونائیٹڈ پریس آف انڈیا کا سیاسی نامہ نگار رقمطراز ہے کہ شام و لبنان کی آزادی کے مسئلہ پر برطانیہ اور فرانس میں جو گفت و شنید ہو رہی ہے اس پر ان ممالک میں خوف و ہراس ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت شام و لبنان کے اخبارات کے وہ تبصرے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ان ممالک کی قسمت کا فیصلہ ان کے پس پشت کیا جا رہا ہے۔

ایک ذی اثر اخبار "بشیر" لکھتا ہے "سخت تعجب کا مقام ہے کہ شام اور لبنان کی حکومتوں کو شریک کئے بغیر برطانیہ اور فرانس شام اور لبنان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے گفت و شنید کر رہے ہیں ہم اس کا اعلان کرتے ہیں کہ اس گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر جو معاہدہ بھی طے پائے گا اس کے ہم کسی طرح پابند نہیں ہوں گے۔"

ایک دوسرا با اثر اخبار "رعد" لکھتا ہے "قدرتاً ہم لندن اور پیرس کو اپنی مشترکہ حکمت عملی پر ایک معاہدہ کرنے سے روک نہیں سکتے لیکن ہم ہر ایسے فیصلہ کو روک سکتے ہیں جو ہمارے مفادات کو نقصان پہنچائے۔"

دول ثلاثہ ایران سے فوجیں ہٹالیں!!

طہران ۔ ۱۲ر دسمبر۔ ایرانی وزیر اعظم مسٹر ابراہیم حکیمی نے آج نمائندگان صحافت سے کہا کہ تینوں اتحادی ممالک کو اپنی فوجیں ایران سے ہٹا لینی چاہئیں۔ انہوں نے کہا اب کہ جنگ کو عرصہ ہوا ختم ہو چکی ہے۔ دوست دار اور اتحادی قوموں کو ایران میں فوجیں رکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے انہیں ایران کا تخلیہ کر دینا چاہئے اور اس وقفہ میں ایرانی حکومت کو کامل آزادی عمل ہونی چاہئے تاکہ وہ اصلاحات کا نفاذ کر سکے اور اپنے تحفظ کے متعلق ضمانت حاصل کر سکے۔ روسی حکومت کو اپنی اس پرخلوص خواہش کا یقین دلانے کے لئے کہ ایران سوویٹ حکومت کے ساتھ اپنے اچھے تعلقات کو گہرے اور وسیع کرنا چاہتا ہے ایرانی حکومت ہر قسم کی ضروری تدابیر اختیار کرنے تیار ہے۔"

مسٹر حکیمی نے کہا کہ ہمارے مسئلہ کے حل سے متعلق اتحادی قوموں کا اگر کوئی تجویز پیش ہو تو ایرانی حکومت اس کا خیر مقدم کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کے نام ایران کا پیغام ہے کہ "ایران جو جنگ کے زمانہ میں اتحادیوں کے ساتھ پرخلوص تعاون کر کے اپنا کافی نقصان کر چکا ہے۔ یہ یقین رکھتا ہے کہ اتحاد ثلاثہ سہ دولی معاہدہ کا اور طہران والے اعلان کا احترام کریں گے اور اپنی فوجیں عجلت ممکنہ ہٹا لیں گے۔"

اس اثناء میں تبریز سے جو خبریں یہاں پہنچی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردبیل، مرند اور سراب کی آبادی میں نامعلوم غیر فوجی اشخاص کی جانب سے ہتھیار تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف میں طہران کے اخبار "اطلاعات" نے تبریز سے یہ اطلاع دی ہے کہ گورنر جنرل نے آذربائیجان کے تحفظ سے متعلق روسی قونصل سے راست گفت و شنید شروع کر دی ہے جس کا تا حال کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

فلسطین کی تحقیقاتی کمیٹی

لندن ۱۱ر دسمبر۔ کل دارالعوام میں وزیر خارجہ مسٹر بیون نے فلسطین کی برطانوی و امریکی تحقیقاتی کمیٹی کے اراکین کے ناموں کا اعلان کیا ان میں مصنف "سینڈ ہنگار" اراکین پارلیمانی اور سابق امریکی سفیر متعینہ روم شامل ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ پانچویں سرکٹ کے جج جوزف ہچیسن امریکی صدر نشین جسٹس ہچنسن آف ٹکساس بنچ۔ ڈویژن برطانوی صدر نشین۔ ڈاکٹر فرینک ایڈیلوٹ ناظم ادارہ علوم جدیدہ پرنسٹن ٹاؤن و امریکی سنٹر روڈز ٹرسٹ۔ مسٹر فرینک کمیشن۔ اڈیٹر "بوسٹن ہیرالڈ"۔ مسٹر ڈبلیو ایف کریک معاشی میتھر لینڈ بنک۔ مسٹر آر ایچ کراسمین عامی رکن پارلیمان و مددگار اڈیٹر "دی نیو سٹیٹس مین"۔ مسٹر او میکس سابق گورنر شمالی کیرولینا۔ سر فریڈرک لیگٹ سابق نائب معتمد و آرٹ عامل وزارت خدمات و سابق ہائی کمشنر برائے پناہ گزیناں۔ ڈاکٹر جی مکڈونلڈ سابق ہائی کمشنر برائے تخلیہ کنندگان۔ مسٹر آر منیگم بٹر قدامت پرست رکن پارلیمان اور آنریبل مسٹر ولیم فلپس سابق امریکی سفیر متعینہ روم۔

مسٹر بیون نے کہا کہ تحقیقاتی کمیٹی خود ہی اپنی راہ عمل کا تعین کرے گی اور اسے اس امر کی آزادی ہو گی کہ اگر مناسب سمجھے تو مختلف امور کے لئے متعدد ذیلی کمیٹیوں کے ساتھ وقت میں کام کرے۔ برطانوی اور امریکی حکومتوں نے اس کمیٹی سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنی رپورٹ ۱۲۰ دن کے اندر پیش کر دے۔ دونوں حکومتوں نے حسب ذیل کام اس کے ذمہ کئے ہیں۔

(۱) یہودی ترک وطن پذیری کے نقطہ نظر سے فلسطین کے سیاسی معاشی اور سماجی حالات پر نظر ڈالی جائے اور وہاں اراضی کی منتقلی اور موجودہ باشندوں کی بہبودی سے بھی بحث کی جائے (۲) ان ممالک میں جہاں یہودیوں پر نازیوں اور فسطائیوں کے مظالم ہوئے ہیں وہاں کے یہودیوں کی صورت حال معلوم کی جائے (۳) یہودیوں اور عربوں کے قابل نمائندوں کے خیالات سننے کے بعد برطانوی حکومت اور امریکی حکومت سے سفارش کرنا (۴) اور جو ضروری معلوم ہو اس کے متعلق سفارش کرنا۔

اشتہار

حاضری مدعا علیہ مرتبہ محکمہ عدالت دیوانی
منصفی تعلقہ جگتیال واقع ۲۰ روی ۱۳۵۵ ف
نمبر مقدمہ (۱/ب) ۱۳۵۵ ف باجلاس
پنڈت نرسنہ ہرن کیشو بی اے۔ ایل ایل بی
منصف جگتیال
دعویٰ زر برجہ
احمد علی بنام واحد علی۔
واحد علی ولد ... قوم شیخ عمر ۴۵ سالہ پیشہ
گرداوری تحصیل پرمال ساکن بیرون عقب مرہوں
مرکو مقدمہ مذ بی تقید بر مدعا حسنہ
مرتبہ کی بنیاد جواب دہی جواب کہئے گئے لیکن بوجہ
موجودگی کی روبروی کی تعمیل ہے مکان پر
ہوئی ہے اس لئے بذریعہ اشتہار تمکو اطلاع
دیجاتی ہے کہ تم بتاریخ ۱۰ دی ماہ ۱۳۵۵ ف
روم پنجشنبہ بوقت ۱۰ بجے ساعت حاضر عدالت
ہوکر اصالتاً وکالتاً جواب دعوی کرو اور اسی روز جملہ
دستاویزات جنپر تم بنیاد اپنی جوابدہی کا
استدلال رکھتے ہو پیش کرو۔ بصورت
غیر حاضری مقدمہ مرتبہ غیاب میں مسموع و
فیصلہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۲۰ ماہ ۱۳۵۵ ف
میرے دستخط و مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط
شر مہر دستخط سررشتہ دار عدالت

مہاراجہ چنبیلی آملہ

طلائی تمغہ یافتہ

بالوں کو بڑھاتا ہے۔ سفیدی
کو روکتا ہے۔ اور دماغ کو قوت
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے

بھگوان اینڈ کمپنی

گلزار حوض

پارچہ جات

ایف ڈی بی خان

اینڈ کمپنی

محی الدین بلڈنگ حیدرآباد

فون نمبر ۲۸۴۶ عابس

ہندوستان کی بہترین ٹائیلٹ

ایلا

نائیلاکریم۔ اسنو۔ برلن ٹامن۔ امنڈ ہیرائیل۔ لیونڈر

استعمال کیجئے

ریڈیو اینڈ ٹاکی ہوز

چارمینار پرنٹنگ پریس

گلزار حوض

انگریزی۔ اردو۔ مرہٹی۔ ہندی۔ گجراتی

دیدہ زیب

طباعت کا مرکز

ادویہ کا نیا اسٹاک

ہر وقت

سٹی میڈیکل ہال گلزار حوض حیدرآباد

سے دستیاب ہوسکتا ہے

SPW

اسٹانڈرڈ فارماسیوٹیکل ورکس لمیٹڈ کلکتہ

ڈپو برائے ممالک محروسہ سرکار عالی: ۵۵۰۰ سلطان بازار

حیدرآباد دکن

جملہ بی پی فنگچرس بایولوجیکل اور کیمیکل انجکشن

کے

علاوہ زود اثر پیٹنٹ ادویات ماہرین کی

زیر نگرانی تیار کرتے ہیں

محمود رشید پبلیشر نے چارمینار پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر [illegible] سے شائع ہوا۔